تعارفِ کتب

[خلافتِ معاویہؓ و یزید پر تبصرہ کتاب وصول ہونے کے کچھ مدت بعد ہی لکھ دیا گیا تھا۔ مگر اس کتاب کے کراچی میں ضبط ہونے کی وجہ سے اسے ترجمان القرآن میں شائع نہ کیا جا سکا۔ اب جبکہ اس تصنیف پر سے پابندی ہٹا دی گئی ہے تو اس کے بارے میں چند معروضات پیش کی جاتی ہیں۔ اس کتاب کی مخالفت اور موافقت میں اتنی آراء آ چکی ہیں کہ اس پر کوئی تفصیلی بحث محض "تحصیلِ حاصل" ہو گی۔ اسی احساس کے پیشِ نظر ہم نے اپنی گزارشات کے بہت سے حصوں کو حذف کر دیا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ ہمارے پیشِ نظر کتاب کا صرف پہلا ایڈیشن ہے ۔ ادارہ]

خلافتِ معاویہؓ و یزید | تالیف۔ جناب محمود احمد عباسی صاحب۔ ناشر: جناب محمود احمد عباسی۔ کاشانہ محمود ۲۶/۱ بی ایریا۔ لالوکھیت کراچی نمبر ۱۹ قیمت چھ روپے، صفحات ۳۷۴۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قاری کے ذہن میں ایک عام احساس جو پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مصنّف نے تحقیق کے معاملے میں اُس غیر جانبداری کا ثبوت نہیں دیا جو اس نوعیت کے کاموں کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ یزید پر لعنت بھیجنا کوئی دینی فریضہ نہیں کہ اگر اس کے خلاف کچھ ثابت ہو جائے تو کسی حساس دل کو ٹھیس لگے گی۔ اگر یزید تاریخی حقائق کی روشنی میں بے گناہ ثابت ہو جائے تو خوشی کی بات ہے۔ مگر اس شخص کو انتہائی متقی اور پرہیز گار اور معصوم ثابت کرنے کے لیے تاریخ کے نہایت واضح شواہد کو نظر انداز کرنا ایک ایسی جسارت ہے جو کسی صاحب علم کے مرتبہ سے بڑی فروتر معلوم ہوتی ہے۔

یوں نظر آتا ہے کہ فاضل مصنّف نے سب سے پہلے اپنے ذہن میں یزید کی نیکی اور پاکبازی کا تصور جما لیا تھا اور اس کے بعد انہوں نے مختلف کتب کی ورق گردانی شروع کی۔

چنانچہ انہیں اپنے اس تصور کی تائید میں جو کمزور سے کمزور دلیل بھی فراہم ہوئی اُسے بلا تکلف نقل کرتے چلے گئے اور اپنے اس نظریے کے خلاف اگر مضبوط سے مضبوط چیزیں بھی ملیں تو انہیں "شیعیت نوازی" کہہ کر یکسر نظر انداز کر دیا گیا۔ تحقیق کے اس انداز سے عام طور پر جو نتائج اخذ ہوتے ہیں اُن میں کسی حد تک "سنسنی خیزی" کی شان تو پیدا کی جا سکتی ہے مگر وہ صحیح اور متوازن نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب عباسی صاحب اس اعتدال کو قائم نہیں رکھ سکے جو انہیں فی الواقع قائم رکھنا چاہیے تھا۔ انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جس طریق سے توصیف بیان کی ہے اُس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذاتِ مقدس مجروح ہوتی ہے اور یزید کی مدافعت میں جو کچھ کہا گیا ہے اُس سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔ پھر اس بات کو محض ایک "داخلی تاثر" سمجھ کر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ عباسی صاحب نے اس معاملے میں کافی "تگ و دو" کی ہے اور اگر انہیں اپنے اس موقف کی تائید میں علمی تحریفات تک بھی کرنا پڑیں تو ان سے بھی گریز نہیں کیا۔ اس کی چند مثالیں ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۹ پر "البدایہ والنھایہ" سے یزید کی منقبت یوں بیان کی ہے:

"وقد کان یزید فیہ خصال محمودۃ من الکرم والحلم والفصاحۃ والشعر والشجاعۃ وحسن الرأی فی الملك وکان ذا جمال حسن المعاشرۃ۔ (جلد ۸ صفحہ ۲۳۰)	اور یزید کی ذات میں قابلِ ستائش صفات حلم و کرم فصاحت و شعر گوئی اور شجاعت و بہادری کی تھیں۔ نیز معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی و عمدگی بھی ان میں تھی۔"

مصنف نے اس عبارت کو توڑ مروڑ سے نقل کیا ہے لیکن اسی عبارت کا اگلا ٹکڑا چونکہ اُن کے مفید مطلب نہ تھا اس لیے اُسے یکسر نظر انداز کر گئے۔ وہ فقرہ بھی سنیے:

وکان فیہ ایضا اقبال الشھوات وترك بعض الصلوات فی بعض الاوقات	اور اسی طرح اس کے اندر شہوات کی طرف میلان موجود تھا، بعض اوقات وہ نمازیں بھی ترک کر دیا

واما تنتعانی غالیب الاوقات ۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۲۳۱)

کرتا تھا اور اکثر اوقات وہ انہیں بالکل آخری وقت میں ادا کرتا ۔

مصنف کے اس حرفِ نظر کو آں کی ذہنی جذبہ داری کے علاوہ اور کس چیز پر محمول کیا جا سکتا ہے ۔ اسی طرح صفحہ ۵۵ پر امام غزالیؒ کے حوالہ سے ایک عبارت یوں نقل کی گئی ہے :

"علامہ ابن کثیر نے بھی فقیہ الکیا الہراسیؒ کے استفتاء اور امام غزالیؒ کے فتوے کا تذکرہ کرتے ہوئے یزید پر سبّ و شتم کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسین سے راضی تھے ۔"

منع من شتمہ ولعنہ لانہ مسلم ولم یثبت بانہ رضی بقتل حسین ۔ ۔ ۔ ۔ واما الترحم علیہ فجائز بل مستحب بل نحن نترحم علیہ فی جملۃ المسلمین والمومنین عموماً فی الصلوات ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۲ صفحہ ۱۷۳)

"اور امام غزالیؒ نے (امیر یزید پر سبّ و شتم کرنے سے) منع کیا ہے کیونکہ وہ مسلمان تھے اور ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسین سے راضی تھے ۔ ۔ ۔ لیکن ان پر (یزید پر) رحمۃ اللہ علیہ کہنا، سو یہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے اور ہم ان پر رحمت کی دعا اپنی نمازوں میں تمام مسلمین و مومنین کے شمول سے مانگا کرتے تھے ۔"

اب ذرا آپ اسی البدایہ والنہایہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں :-

ومنع من شتمہ ولعنہ ، لانہ مسلم ولم یثبت بانہ رضی بقتل الحسین ولو ثبت لم یکن ذالک مسوغاً للعنہ لان القاتل لا یلعن لاسیما وباب التوبۃ مفتوح والذی یقبل التوبۃ عن عبادہ غفور رحیم

(اور امام غزالیؒ نے سبّ و شتم سے منع کیا ہے کیونکہ یزید مسلمان تھا اور یہ ثابت نہیں کہ وہ قتلِ حسین سے راضی تھا اور اگر بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے تو پھر بھی لعنت جائز نہیں کیونکہ قاتل پر لعنت نہیں کی جاتی خصوصاً جب کہ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور وہ غفور و رحیم ذات اپنے بندوں کی توبہ قبول کر لیتی ہے ۔

اس ضمن میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ عباسی صاحب نے "اما الترحم علیہ فجائز" کا ترجمہ کیا ہے کہ ان (یزید) پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا جائز ہے، اسی سے ان کے ذہنی میلان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کتاب کے مصنف نے جس البدایہ والنہایہ کی عبارتوں کو توڑ موڑ کر یزید کی معصومیت ثابت کرنے کے لیے دلائل فراہم کیے ہیں اسی میں یہ بات بھی درج ہے کہ عبید اللہ بن زیاد نے یزید کے اس مطالبہ پر کہ وہ مکہ کا محاصرہ کرے یہ کہا :-

واللہ لا اجمعنهما للفاسق ابداً اقتل ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واغزوا البیت الحرام (البدایہ والنہایہ ص۲۱۹ جلد ۸)	خدا کی قسم: میں ایک فاسق کے لیے دو باتیں کبھی جمع نہیں کروں گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کا قتل بھی کروں اور بیت الحرام پر چڑھائی بھی کروں۔

عباسی صاحب یزید کی منقبت میں صحیح البخاری کی یہ حدیث تو نقل فرماتے ہیں کہ :-

"نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی پہلی فوج جو قیصر کے شہر قسطنطنیہ پر جہاد کرے گی ان کے لیے مغفرت ہے :

مگر کیا وہ دوسری حدیث ان کی نظر سے نہیں گزری جسے صاحب روح المعانی نے طبرانی کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے :-

اَللّٰھم من ظلم اھل المدینۃ واخافھم فاخفہ وعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ والناس اجمعین لا یقبل منہ صرف وعدل۔ (روح المعانی از علامہ شہاب الدین السید محمود الآلوسی ص۷۲ جلد ۲۶۔	اے اللہ جنہوں نے اہل مدینہ پر ظلم کیا اور انہیں خوفزدہ کیا تو بھی انہیں خوف زدہ کر، اور اس پر اللہ اس کے فرشتوں اور پوری نوع بشری کی لعنت ہو اُن کی نہ تو توبہ قبول کی جائے گا اور نہ ہی ان سے فدیہ قبول کیا جائے گا۔

اور فاضل مصنف سے یہ بات مخفی نہیں کہ اسی البدایہ والنہایہ میں جو ان کی کتاب کا

اصل ماخذ ہے۔ ابن کثیر نے خود تسلیم کیا ہے کہ یزید نے مدینہ کو تین دن کے لیے مباح قرار دے دیا تھا:

وقد اخطأ یزید خطأً فاحشا فی قوله لمسلم بن عقبه ان یبیح المدینة ثلاثة ایام وھذا اخطأ کبیر فاحش مع ما انضم الی ذالك من قتل خلق من الصحابة وابنائھم، وقد تقدم انه قتل الحسین والصحابة علی یدی عبید الله بن زیاد وقد وقع فی ھذه الثلاثة ایام من المفاسد العظیمة فی المدینة النبویة ما لا یعد ولا یوصف، مما لا یعلم الا الله عز وجل۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص ۲۲۲)

یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہکر کہ وہ مدینہ کو تین دن تک مباح رکھے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے اور اس کے ساتھ جب یہ بات بھی شامل ہو جاتی ہے کہ اُس نے بہت سے صحابہ کرام اور اُن کی اولادوں کو قتل کیا تو جرم کی نوعیت اور بھی سنگین ہو جاتی ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ یزید نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل کروایا تھا۔ مدینہ نبوی میں ان تین دنوں میں ایسے عظیم مفاسد رونما ہوتے رہے جن کی کوئی حد نہیں اور جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا اور جنہیں بس اللہ ہی جانتا ہے۔

مدینہ کو مباح قرار دینے کے بعد لوگوں پر جو ظلم و ستم ڈھاتے گئے، عورتوں کی جس طرح عصمت دری کی گئی اور معصوم بچوں کو جس طرح قتل کیا گیا اُس کی تفصیل البدایہ والنہایہ میں ہی موجود ہے۔ یہ ساری داستان اتنی دلفگار ہے کہ آج پھر اس کے پڑھنے کے بعد جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے معلوم نہیں عباسی صاحب نے اس طرف کیوں توجہ نہیں دی۔

فاضل مصنف اپنے جذبات کا توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوتے اگر وہ اُن احادیث پر بھی ایک نگاہ ڈال لیتے جو حدیث کی متداول کتب میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق مذکور ہیں۔ بخاری کے مشہور شارح جن کا عباسی صاحب اپنی تالیف میں بار بار ذکر کرتے ہیں انہوں نے اصابہ میں ابوہریرہؓ کے حوالے سے یہ حدیث بھی نقل کی ہے:

عن ابی ھریرة قال ابصرت عینای

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میری ان آنکھوں

ھاتان وسمعت اذناہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو آخذ بکفی حسین، وقدماہ علی قدم رسول اللہ وھو یقول ترق ترق عین بقہ، قال فرقی الغلام حتی وضع قدمیہ علی صدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افتح فاک ثم تفل ثم قبلہ ثم قال اللھم احبہ فانی احبہ۔

(اصابہ ابن حجر عسقلانی۔ ج ۱ ص ۱۴۴۔ ۱۴۵)

نے دیکھا اور کانوں نے سنا کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں کو پکڑے ہوتے تھے اور حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کے پاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں پر رکھے ہوتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے اے ننھے قدموں والے چڑھ آ، چڑھ آ۔ چنانچہ بچہ جسم اطہر پر چڑھنے لگا یہاں تک کہ اپنے قدم حضورؐ کے سینے پر رکھ دیتے۔ پس آپ نے فرمایا "منہ کھول" پھر آپؐ نے لعاب دہن ڈالا اور منہ چوم لیا۔ پھر فرمایا۔ اے اللہ! اسے محبوب رکھ کہ میں اسے محبوب رکھتا ہوں۔

اسی طرح حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے:

"یہ دونوں میرے بچے اور میری بیٹی کے لڑکے ہیں، اے اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں، تو بھی ان دونوں سے اور اُن کے ساتھ محبت رکھنے والوں سے محبت فرما۔" (ترمذی)

یزید کے معاملے میں ایک قسم کی "نامناسب جانبداری" اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مرتبہ کے متعلق ایک عام لاپرواہی کتاب کے ہر صفحہ پر نمایاں نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھیے کہ وہ ہر قاری کو اس بات کا تاثر دینا چاہتے ہیں کہ عام مسلمانوں نے یزید کی بیعت بطیبِ خاطر کی اور اُن کی اس بیعت پر پوری امت مجتمع تھی۔ حالانکہ عباسی صاحب جن کتب کو اس بارے میں بطور اساس مانتے ہیں انہی کے مطالعہ سے جو صورتِ حال نظر آتی ہے وہ اُن کے استدلال کے بالکل برعکس معلوم ہوتی ہے۔ ہم یہاں صرف اس کی ایک مثال عرض کرتے ہیں:

مصنف البدایہ والنہایہ کی مندرجہ ذیل عبارت یزید کی بیعت کی تائید میں درج کرتے ہیں۔

فاتفقت البیعۃ لیزید فی سائر البلاد — تمام شہروں میں یزید کی بیعت ہو گئی اور یزید کے

وفدت الوفود من سائر الاقاليم الى يزيد — پاس ہر سمت سے وفود آئے۔

(صہ۴۵ بحوالہ البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۸۰)

مگر جس "طیب خاطر" سے یہ بیعت لوگوں نے کی تھی اُس کا ذکر عباسی صاحب جان بوجھ کر چھوڑ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ فقرات اُن کی اسی عبارت سے متصلاً پہلے موجود ہیں:

ثم خطب معاوية وهولاء حضور تحت منبره، بايع الناس ليزيد وهم قعود ولم يوافقوا ولم يظهروا اختلافا لما يتهددهم وتوعدهم فاتسقت البيعة (البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۸۰)

پھر حضرت امیر معاویہؓ نے خطبہ دیا اور یہ لوگ اُن کے منبر کے نیچے موجود تھے۔ لوگوں نے یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور یہ لوگ بیٹھے تھے نہ موافقت کی اور نہ اختلاف ظاہر کیا، کیونکہ انہیں ڈرایا اور دھمکایا جا چکا تھا۔ اس طرح یزید کی بیعت تمام ممالک میں ہوئی۔

پھر جو حکم یزید نے عامل مدینہ ولید کو دیا تھا اُس سے اُس کے تیوروں کا بآسانی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کس طرح "بغیر جبر واکراہ" کے امام حسین رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے جلیل القدر صحابہ سے بیعت لینے کا ارادہ رکھتا تھا۔

اما بعد فخذ حسينا وعبد الله بن عمر وابن الزبير بالبيعة اخذا ليس فيه رخصة والسلام۔ (ابن اثیر ج ۴ ص۶)

تم حسین، عبداللہ بن عمر اور ابن زبیر سے بیعت لو اور ایسی گرفت کرو جس میں کوئی رعایت نہ ہو۔

یہ ہے اُس بیعت کی اصل حقیقت جسے عباسی صاحب "طیب خاطر" سمجھتے ہیں۔

عباسی صاحب نے نہ صرف یزید کے معاملے میں ذہنی جانبداری کا ثبوت دیا ہے بلکہ یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات سے بھی انصاف نہیں برتا۔

اسی سلسلہ میں آپ مندرجہ ذیل فقرے ملاحظہ فرمائیں:

"افسوس کہ حضرت موصوف نے اپنے بھائی کا عاقلانہ مشورہ قبول نہ فرمایا اور بیعت

لے لی، یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذی النورینؓ جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کرکے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی، نیز قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا تھا اور نہ قصاص کے لیے جانیکا کوئی امکان باقی رہا تھا کیونکہ یہی باغی اور قاتل اور اس گروہ کا بانی مبانی عبداللہ بن سبا مباعین کے گروہ میں نہ صرف شامل بلکہ سیاست وقت پر اثر انداز رہے۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے گریز کیا، اس لیے بیعت خلافت مکمل نہ ہوسکی۔" صـ۲

"سبائیوں کی حرکاتِ شنیعہ سے امت میں جو انتشار پیدا ہوگیا .. .. تمام عالمِ اسلام میں خلیفہ شہید کے مظلومانہ قتل سے اک آگ سی لگ گئی اور ہر طرف سے انتقام انتقام کا نعرہ بلند ہوا۔ یہ صورتِ حال بہت حد تک سنبھل سکتی تھی اگر قصاص لینے کی تدبیر کی جاتی مگر قصاص نہ لیا گیا۔" صـ۳

"حضرت موصوف (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) کی یہ خطائے اجتہادی یا بے بسی اور مجبوری، نتیجہ یہ ہوا کہ بخلاف حضرت خلفائے ثلاثہ جن کی بیعت پر تمام امت مجتمع تھی، اتحاد و اتفاق تھا، کفار کے مقابلے میں جہادی سرگرمیاں تھیں۔ بڑے بڑے ملک فتح ہوئے مگر حضرت علیؓ کے زمانے میں نہ کوئی جہاد ہوا، نہ کوئی ملک و شہر فتح ہوا، نہ ملت ان کی بیعت پر مجتمع ہوئی۔ آپس میں تلواریں چلتی رہیں۔" (صـ۳۴)

آپ ان سارے اقتباسات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ان میں کونسا تاثر پیدا کرنے کی کوشش مضمر ہے۔ اس سے ایک اثر قاری کے ذہن میں یہ پڑتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ معاذاللہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا قصاص لینا نہ چاہتے تھے یا کم از کم اس کے لیے کوئی عملی قدم اٹھانے پر تیار نہ تھے۔ حالانکہ اصل صورت اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے مگر اس کے لیے کسی موزوں موقع کی تلاش میں تھے

اس کے علاوہ ایک دوسرا تاثر ان صفحات کے مطالعہ سے ذہن پر یہ بھی مترتب ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جتنے بھی لوگ تھے وہ گویا سب کے سب سبائی تھے اور حضرتؓ ان کے ہاتھ میں محض ایک بے بس کھلونا تھے جن سے وہ جس طرح چاہتے کھیلتے رہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اس موقف پر کھڑا کرکے اُن کے بارے میں جو رائے بھی قائم کی جائے گی وہ اُس مرتبہ سے بہر حال فروتر ہوگی جس کے فی الواقع وہ امت میں مستحق ہیں۔

ہمیں بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عباسی صاحب نے اُنؓ کے معاملے میں عناد کا ثبوت دیا ہے اور اُنؓ کے متعلق ایک ایسی غیر منصفانہ روش اختیار کی ہے جو کسی صاحب علم کو زیب نہیں دیتی۔ انہوں نے اپنے دلپسند افکار و نظریات کو برحق ثابت کرنے کے لیے بعض مقامات پر ایسی عجیب و غریب تاویلات بلکہ تحریفات کی ہیں کہ اس سے احساس دیانت کو سخت دھچکا لگتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور امام ابن تیمیہؒ کے فرمودات کے ساتھ انہوں نے جو ظلم اور زیادتی کی ہے وہ تو بہت ہی افسوسناک ہے

حضرت شاہ ولی اللہ اپنی تصنیف ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاءؒ کے بالکل آخری صفحات میں جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اس طرح ملت کی دوسری بزرگ و برتر ہستیوں کے باہمی اختلافات پر پہنچتے ہیں تو وہ اس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ایک اختلاف تو وہ تھا جو خوارج نے کیا اور ایک اختلاف وہ تھا جس میں ام المومنین رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے جلیل القدر صحابہؓ بھی شامل تھے۔ پھر شاہ صاحب بتاتے ہیں کہ اختلاف کی ان دو مختلف نوعیتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ خوارج کا اختلاف فساد امت ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:۔

اما آنکہ اہل حروراء بر باطل بودند بوجہے سمت کفر یا فسوق و اعاذنا اللہ من ذالک	اہل حروراء خوارج کا امر باطل پر ہونا اور ان کا کفر یا فسق کے نشان سے متصف ہونا خدا

پس ازاں جہت کہ احادیث متواترہ در باب حروریہ وارد شدہ است کہ یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیۃ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص ۲۸۰)

ہم کو اس سے پناہ میں رکھے، اس وجہ سے ہے کہ اُن کے بارے میں احادیثِ متواترہ وارد ہیں کہ وہ دین سے ایسے ہی نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے۔

لیکن حضرت عائشہ، طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جو اختلاف کیا ہے وہ محض ایک اجتہادی غلطی تھی اسے خروج نہیں کہا جا سکتا، اور شاہ صاحب خود یہی سمجھتے ہیں کہ حق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہی تھا۔ وہ اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

اما آں کہ حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم مجتہد مخطی معذور بودند ازاں قبیل کہ من اجتہد فقد اخطأ فلہ اجر واحد پس ازاں جہت کہ متمسک بودند بشبہہ ہر چند دلیل دیگر ارجح ازوی بود و موجب آں شبہہ دو چیز است، یکی آنکہ خلافت برائے حضرت مرتضیٰ منعقد نشد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتہاد و نصیحۃ للمسلمین بیعت نہ کردہ اند۔
(ازالۃ الخفاء ص ۲۷۹)

حضرت عائشہ و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم سے جو اجتہادی غلطی ہوئی ہے وہ اس قبیل میں سے ہے "جس نے اجتہاد کیا اور اُس میں خطا کی، اُس کے لیے ایک اجر ہے۔" اُن کی یہ غلطی اس اشتباہ کی بنا پر تھی (اگرچہ زیادہ مضبوط مسلک دوسرا ہی تھا) ایک یہ کہ حضرت مرتضیٰ کی خلافت منعقد نہ ہوئی تھی اور دوسرے یہ کہ اربابِ حل و عقد نے غور و فکر اور مسلمانوں کی خیر خواہی دیکھ کر بیعت نہ کی تھی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ پھر اسی بنیاد پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے کو بھی اجتہادی غلطی سے تعبیر کرتے ہیں:

و اما آنکہ معاویہ مجتہد مخطی معذور بود پس ازآں جہت کہ متمسک بود بشبہہ ہر چند دلیل دیگر در میزان شرع راجح تر ازاں برآمد

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا مجتہد مخطی معذور ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہیں اس معاملے میں شبہ لاحق ہو گیا تھا اگرچہ میزانِ شرع میں اس سے وزن دار حجت

مانند آنچہ در قصہ اہلِ جمل تقریر کردیم۔ (ص ۲۶۰) — موجود تھی۔ یہ شبہ وہی تھا جس کا ہم نے اصحابِ جمل کے تحت ذکر کیا ہے۔

مصنّف کی ہنرمندی اور چابکدستی دیکھیے کہ انہوں نے صرف اس فقرہ کو دیکھ کر کہ "خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم نہ شد" حکم فرما دیا کہ شاہ ولی اللہ بھی حضرت علیؓ کی خلافت کے معاملے میں یہی رائے رکھتے تھے جو خود اُن (مصنف صاحب) کی ہے۔ اس قسم کی تحریف علمی دیانتداری کے منافی ہے۔ شاہ صاحب جو بات کہہ رہے ہیں وہ یہ ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا اور بعض دوسرے صحابہؓ نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت نہیں کی تو اس کی اصل وجہ کچھ نفاق اور فسادِ نیت نہ تھا بلکہ یہ محض اُن کی اجتہادی غلطی تھی۔ کیونکہ انہیں اس امر کا شبہ تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت منعقد نہیں ہوئی۔ پھر شاہ صاحب علیہ الرحمۃ اس بات کا اعادہ کیے جا رہے ہیں کہ "ہر چند دلیلِ دیگر ارجح از وے بود" یعنی اُس شبہ کے مقابلے میں قوی دلیل بہرحال دوسری ہی ہے"۔

معلوم نہیں عباسی صاحب نے کن مصلحتوں کی بنا پر اس فقرہ کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے اور صرف ایک فقرہ کو اُس کے سیاق و سباق سے بالکل الگ کر کے ایک ایسا نتیجہ اخذ کیا ہے جو سرتاپا غلط اور شاہ صاحب کے مدعا اور منشا کے عین خلاف ہے۔

اسی قسم کا ظلم انہوں نے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ پر بھی کیا ہے۔ شیخ کا مسلک حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارے میں وہ نہیں جو عباسی صاحب نے اپنی اس کتاب میں اختیار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی تصنیف منہاج السنہ میں نہایت واضح طور پر یہ بتایا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑا تھا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

بل هم كلهم متفقون على ان عليا	بلکہ اہلِ سنت پورے کے پورے اس بات پر متفق
اجل قدرا واحق بالامامة وافضل عند	ہیں کہ حضرت علیؓ معاویہ، معاویہ کے باپ اور معاویہ
الله وعند رسوله وعند المومنين من	کے بھائی جو معاویہ کی بہ نسبت بہتر تھے، ان سب کے

معاویة وابیه واخیه الذی کان خیرا منه۔

وعلی افضل ممن هو افضل من معاویة رضی الله عنه فالسابقون الاولون الذین بایعوا تحت الشجرة کلهم افضل من الذین اسلموا عام الفتح وفی هؤلاء خلق کثیرا افضل من معاویة واهل الشجرة افضل من هؤلاء کلهم وعلی افضل جمهور الذین بایعوا تحت الشجرة بل هو افضل منهم کلهم الا الثلاثة۔ (جلد دوم ص ۲۵۶)

مقابلے میں زیادہ جلیل القدر اور امامت کے مستحق تھے اور اللہ اور اس کے رسولؐ اور اہلِ ایمان کے نزدیک افضل ہیں۔ حضرت علیؓ ان لوگوں سے بھی افضل ہیں جو امیر معاویہؓ کی بہ نسبت افضل تھے وہ السابقون الاولون جو بیعت شجر میں شریک تھے وہ سارے ان لوگوں سے مرتبے کے لحاظ سے افضل ہیں جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور جن میں ایک کثیر خلقت ہے جو معاویہ سے افضل ہے۔ بیعت شجر کی سعادت پانے والے ان سے بھی بہتر ہیں اور حضرت علیؓ تو ان لوگوں سے بھی افضل ہیں جو بیعتِ شجر میں شریک تھے، بلکہ وہ سوائے تین کے (ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ) باقی تمام امت میں سب سے افضل ہیں۔

البتہ امام ابن تیمیہؒ جو بات کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات جن دلائل کی بنا پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر معترض ہوتے ہیں انہیں اعتراضات کو اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر لوٹا دیا جائے تو ان سے پھر ان کی ذات بھی مجروح ہو گی۔

عباسی صاحب نے کتاب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کے لیے خروج (ص ۲۳) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بہت بڑی جسارت ہے اور یہ چیز جمہور اہلِ سنت کے مسلک کے خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اختلافات کے اس پورے دور میں جو واقعات رونما ہوئے ان کی نوعیتیں اتنی پیچیدہ اور الجھی ہوئی ہیں کہ انہیں محض تاریخ کی مدد سے سلجھایا نہیں جا سکتا۔ واقعات کا جب سلسلہ قائم ہوتا ہے تو اس وقت اس کے ساتھ ایک ایسا جذباتی ماحول بھی بن جاتا ہے جس سے ہم کسی معاملے کے متعلق بھی دو اور دو چار کی طرح فیصلہ نہیں کر سکتے لہٰذا ہم اس روش کو ہی صحیح نہیں سمجھتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی تعلقات کے بارے میں ہم محض تاریخ کی مدد سے کوئی حکم لگائیں۔ وہ حضرات جنہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کی صحبت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا ہے وہ محض تاریخی شخصیتیں نہیں جن پر بڑی بے تکلفی سے جرح و تعدیل کرتے رہیں۔ قرآن مجید نے ان خوش نصیب ہستیوں کی تعریف کی ہے۔ اس لیے ہمیں اُن نفوسِ قدسیہ کے بارے میں غیر معمولی حد تک محتاط رہنا چاہیے اور کوئی لفظ اپنی زبان سے ایسا نہ نکالنا چاہیے جس سے سوءِ ادب کا پہلو نکلتا ہو۔

یزید کے متعلق بھی ہم وہی رائے صحیح سمجھتے ہیں جو جمہور اہلِ سنت کی ہے کہ اُسے نہ تو کافر و زندیق کہا جائے اور نہ ہی ائمہ ہدیٰ میں شمار کیا جائے۔ ممکن ہے وہ قتلِ حسین کا خواہشمند نہ ہو، مگر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اُس نے اس حادثہ پر بیزاری ظاہر کی یا اُن لوگوں کو کوئی سزا دی یا اُن سے اس ظالمانہ حرکت پر سختی سے مواخذہ کیا جنہوں نے اس جرمِ شنیع کا ارتکاب کیا، یا اُن کے خون کا قصاص لینے کی فکر کی۔ اس بنا پر نہ تو اُسے کافر و زندیق کہنا درست ہے اور نہ ہی رحمۃ اللہ علیہ کہنا صحیح اور مناسب ہے، وہ بادشاہوں کی طرح محض ایک بادشاہ تھا۔ اُس کے بارے میں خاموشی ہی بہتر ہے۔ جاہلوں اور فتنہ پردازوں کی باتوں سے محض چڑ اور ضد میں آکر اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا ہمارے نزدیک بالکل غلط روش ہے جس کی کوئی معقول انسان تائید نہیں کر سکتا۔